بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انذارومنذرین

محمد نامدار خان بوزئی

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ(آپ کہیے[پوچھیے]! کیا چیز ہے سب سے بڑی گواہی [کے لائق]؟ آپ کہہ دیجئے:''اللہ! گواہ ہے میرے اور تمھارے درمیان!)وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اور[حق یہ ہے] کہ وحی کیا گیا ہے یہ قرآن میری طرف تاکہ میں تمہیں ڈراؤں[آگاہ کردوں]اِس سے[یعنی اس میں بیان کیے گئے عذاب سے جوانسان کواس کے غلط عقائد واعمال کے سبب آخرۃ میں دیا جانے والا ہے]اور وہ(بھی ڈرائیگا)جو پہنچے گا(اس مقصد کے لیے مقررہ وقت ومقام معینہ پر) اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ(کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ بھی ہیں؟ آپؐ کہیے:''میں ایسی گواہی نہیں دیتا!اللہ صرف وہ ایک ہی ہے۔اور میں اس شرک سے بیزار ہوں جوتم کررہے ہو۔[الانعام:۱۹]

اکثر حضرات نے آیت کے خط کشیدہ حصّہ کے ناقابلِ قبول تراجم پیش کیے ہیں۔جس کی وجہ سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوگیں اور مکلفین اصل منشاء سے دور ہوگئے۔راقم کے خیال میں ان مترجمین نے نہ تو سیاق وسباق کو ملحوظ رکھا اور نہ ہی صرف ونحو کے قوانین ومطالبات کا! کیونکہ عربی زبان کا ہر عالم جانتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت کا آخری حصہ جملہ خبریہ ہے جس میں مستقبل سے متعلق خبر دی گئی ہے۔اور یہ جملہ یا خبر صرف دو الفاظ پر مشتمل ہے۔''مَنْ ''اور''بَلَغَ''۔

من ضمیر موصوفہ ہے جبکہ ''بَلَغَ'' (وہ پہنچا) فعل ماضی ولازم ہے، اس طرح بَلَغَ اس کی خبر ہے۔ عربی گرامر کے اصول کے اعتبار سے ''مـن'' [شرطیہ] کے بعد جب بھی کوئی فعلِ ماضی (past tense) آتا ہے تو وہ فعلِ مضارع یعنی (future tense) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور مستقبل سے متعلق خبر دیتا ہے۔ اس طرح یہاں لفظِ ''بَـلَـغَ'' کا صحیح ترجمہ... (وہ پہنچے گا) تسلیم کیا جائیگا!

علامہ عبدالرّشید نعمانی ''لغات القرآن'' میں ''بَـلَغَ'' کے معنوں کی تفصیل میں لکھتے ہیں ''اس کے معنی انتہائی مقصد اور منتہیٰ تک پہنچنے کے ہیں خواہ وہ مقام ہو یا وقت یا اور کوئی شئے۔'' ان معنوں کی روشنی میں ایک قابلِ غور سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ: کیا ''**انذار**'' کے عمل کو اس کے آخری مقصد و منتہیٰ تک پہنچانا ہر کسی تابع رسول ﷺ کے بس کی بات ہے؟ یقیناً ہمیں اس سوال کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ چنانچہ سورہ الانعام کی اسی آیت کی تشریح میں تفسیر ابن کثیر؛ صفحہ: ۵۱ پر لکھا ہے:

> ''ربیع بن انسؒ نے کہا ہے کہ تابع رسول پر لازم ہے کہ اس طرح اسلام کی دعوت دے جس طرح آں حضرتؐ دیتے تھے اور اس طرح ڈرائے جیسے حضرتؐ ڈراتے تھے۔'' [تفسیر ابن کثیر؛ مطبوعہ: نور محمد کارخانہ کتب، آرام باغ۔ کراچی]

مذکورہ بالا لوازمات و اشراط کے پس منظر میں اگر تاریخِ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو راقم الحروف کے مندرجہ بالا استنباط کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جیسا نہ کسی **غیر ما مور من اللہ نذیر** نے ڈرایا اور نہ ہی ان ﷺ جیسی موثر و انقلابی دعوۃ کسی نے دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے **مقرر کردہ معیار** کی پابندی صرف ایک مامور من اللہ ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ جو کہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اللہ اُسے اُسی ''بصیرت'' (بمعنی مشاہدہ ذاتی) کی صلاحیت اور ہدایات سے سرفراز کرتا رہتا ہے!

اوپر بیان کی گئی حضرت ربیع بن انسؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری اہم خصوصیت جو اس کام کے غیر ناقص و **flawless** اور موثر ہونے کے لیے لازمی ہوتی ہے، وہ رسول ﷺ کی **اتباعِ تامّہ** ہے۔ پس ''ڈرانے والے'' کا ''**تابع تام**'' رسول اللہ ﷺ ہونا

بھی لازمی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سورہ انعام کی مذکورہ آیت میں ''من'' سے اللہ کی مراد ایک **تابع تام مامورمن اللہ** فرد ہے۔ چنانچہ ادیان کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ **انذار** کے مشن کو اللہ کے حکم سے وقت مقررہ ومقامِ معینہ پر کمال ومنتہا تک پہنچانا صرف **اولوالعزم مصطفین الاخیار مامورین من اللہ** کی صنف سے تعلق رکھنے والے **ائمہ دین** ہی سے ممکن ہوا ہے۔

عبدالرشید نعمانی صاحب ''من'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''من'' تنہا غیر ناطق کے لیے نہیں استعمال کیا جاتا۔ جب کہ علامہ سیّد اعجاز حیدر ''معلم لغات القرآن'' کے صفحہ ۱۴۰ پر لکھتے ہیں ''من'' عموماً عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ ''ما'' غیر عاقل کے لیے۔'' اسی جملے کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں: <u>''عربی قواعد کی رو سے انسان، جن اور فرشتوں کے علاوہ سب مخلوقِ غیر عاقل ہے۔''</u> یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ دینی اصطلاح میں ''ناطق'' صرف عاقل مخلوق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب کہ غیر عاقل ومجہول العقل لوگ قرآنی احکامات کی پابندی کے مکلّف تسلیم نہیں کیے جاتے اور یہی وہ اصل سبب ہے کہ ان پر شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے!

علمائے اسلام جانتے ہیں قرآن ''صامت'' تسلیم ہوتا ہے یعنی غیر ناطق؛ جب کہ ناطق کے معنی (A rational being who can present his arguments articulately) کے ہیں؛ اس لیے بھی ''من'' قرآن کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا! راقم کے خیال میں اس ضمن میں اُن تمام مترجمین سے تسامح ہوا ہے جنہوں نے اس آیت میں ''من'' سے مراد ''قرآن'' یا غیر مامور من اللہ فرد یا افراد تعبیر کیا ہے!

لہٰذہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر ''من بلغ'' کا ترجمہ...... ''جو پہنچے گا (اس مقصد کے لیے مقررہ وقت ومقامِ معینہ پر)''..... کیا جائیگا۔ یہ بھی ایک بنیادی وجہ ہے کہ اس ''من'' میں مذکور مرادی شخصیت کو اولین علمائے اسلام ومومنین ''**الموعود**'' تسلیم کرتے تھے۔

اس موعودہ شخصیت کو مذکورہ آیتِ کریمہ میں سنتِ الٰہیہ کے تحت تعریضی انداز میں

دوسرا اڈرانے والا یعنی نذیرِ ثانی گردانا گیا ہے۔اس آیت سے یہ بھی واضح ہورہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد ''**ا نذ ا ر**'' ہے اور اللہ اپنے اس امر یعنی **انــذارکااعادہ** اُس شخص سے کروائیگا جو کہ بِاذن اللہ، اللہ کے مقرر کردہ وقت و متعین کردہ مقام پر پہنچ جائیگا۔

مزید یہ بات بھی اس آیت میں واضح کی گئی ہے کہ وحی کے ذریعہ قرآن نازل کیا گیا جس کے ہر ایک لفظ کا گواہ، اللہ ہے اور اسی نے اُن دونوں کو اس کام پر مامور کیا ہے!

جاننا چاہیے کہ ایک مامور من اللہ نذیر کسی مفروضہ **(assumption)** پر یا سنی سنائی بات کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوۃ نہیں دیتا۔اور نہ ہی وہ اپنے ذاتی استنباط یا**inference** یا قیاس کی بنیاد پر دعوۃ دیتا ہے۔بلکہ وہ یہ کام اللہ کے حکم سے کرتا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (کہہ دو کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت [کی بنیاد] پر اور وہ بھی بلائیگا جو میرا تابع [تام] ہوگا اور اللہ پاک ہے [یہ بھی جان لو کہ] میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) [سورہ یوسف:۱۰۸]

پس ہر مشرک اور بے بصیرۃ تابع رسول ﷺ اس آیت کی تفسیر سے خارج البحث ثابت ہے۔کیونکہ بصیرۃ سے مراد ''مشاہدہ ذاتی'' ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں! اسی طرح مشرک تابع رسول ﷺ بحیثیتِ داعی الی اللہ بھی نا قابلِ قبول طے پایا!

ان حقائق کے پیش نظر راقم الحروف کی پیش کردہ تاویل ذہنوں میں جو اہم ترین سوال پیدا کرتی ہے۔اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں ایک سے زیادہ جگہ اس بات کی تشریح فرمائی ہے۔ مثلاً سورہ القصص:۴۶، السجدہ:۳، یٰسین:۶، الزخرف:۴۴ اور النجم:۵۶۔فرمانِ عالی ہے:

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ط (یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔) **لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُ**

هُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے، پس [اسی وجہ سے] یہ غافل ہیں۔
[سورۃ یٰسین:۵ اور ۶]

لہٰذہ ایسے لوگوں کے لیے آپ ﷺ **پہلے نذیر** ثابت ہوتے ہیں۔ سورہ السجدہ میں فرماتا ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے؟ [نہیں نہیں] بلکہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے تا کہ آپ اُنہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت پالیں۔ [السجدہ:۳]

سورہ سباء کی آیت:۴۴ میں فرماتا ہے:

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيْرٍ (اور ان [مکہ والوں] کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا۔

مندرجہ بالا آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے بھی آپ ﷺ **پہلے نذیر** تھے۔ اسی مضمون کی مختصر اور جامع وضاحت سورہ النجم کی آیت:۵۶ میں فرمادی:

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (ترجمہ: **یہ [رسول] ڈرانے والا ہے پہلے ڈرانے والوں میں سے۔**) [النجم:۵۶]

واضح رہے کہ لفظ اولیٰ [پہلے] کا استعمال اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرے فرد یا جماعت کے وجود کا تصور موجود نہ ہو! لہٰذہ اس آیتِ کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ نذیروں [ڈرانے والوں] کی ایک سے زیادہ اقسام ہوتی ہیں:

(الف) پہلے ڈرانے والوں کی جماعت سے تعلق رکھنے والے نذیر جنہیں قرآن نے نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى تعبیر کیا ہے؛ جو کہ نئی شریعت لیکر آتے ہیں اور اس نئی شریعت میں

موجود نئے قوانین کے تحت انذار کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

(ب) وہ جن کی ذمہ داری ''انذار'' کا **اعادہ کرنا** ہوتی ہے جنہیں ہم **Reminder Warners** کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایسے ''**مامور من اللہ نذیر**'' ہوتے ہیں جو کہ ''پہلے ڈرانے والوں کی جماعت'' کے بعد نزولِ عذاب سے قبل ''اتمامِ حجّۃ'' کے لیے بھیجے جاتے ہیں؛ جس کے بعد اللہ تعالیٰ کو عذاب نازل کرنے کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اور جن کو قرآن نے [سورہ الشعراء: ۲۰۸، ۲۰۹] میں **منذرون ذکریٰ** کہا ہے! [مفسر عبداللہ یوسف علی]

(ج) ڈرانے والوں کی تیسری قسم رضا کاروں کی جماعت سے تعلق رکھنے والوں کی ہوتی ہے یعنی غیر مبعوثین کی جو غیر معصوم و غیر مامورین من اللہ ہوتے ہیں اور تبلیغ و دعوۃ کے فرائض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے یہ مشن اپنا لیتے ہیں۔ چنانچہ دیگر وجوہات کے علاوہ اس بنیاد پر بھی تفاسیر میں تعبیر کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں!

عموماً سورہ الانعام کی زیر بحث آیت کو مکمل طور پر بیان نہیں کیا جاتا حالانکہ بات کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آیت کو پورا بیان کیا جائے اور اگر مضمون اختتام کو نہ پہنچے تو یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اگلی اُن تمام آیت کو بھی بیان کیا جائے جو مضمون کو اس کے منطقی انجام تک پہنچاتی ہوں۔ تاکہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔ مضمون ملاحظہ فرمائیں:

> **قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً ؕ قُلِ اللّٰہُ شَھِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ** (آپؐ کہیے [پوچھیے]! کیا چیز ہے سب سے بڑی گواہی [کے لائق]؟ آپؐ کہہ دیجئے: ''اللہ! گواہ ہے میرے اور تمھارے درمیان!) **وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ** اور [حق یہ ہے] کہ وحی کیا گیا ہے یہ قرآن میری طرف تاکہ میں تمہیں ڈراؤں [آگاہ کردوں] اِس سے [یعنی اس میں بیان کیے گئے عذاب سے جو انسان کو اس کے غلط عقائد و اعمال کے سبب آخرۃ میں دیا جانے والا ہے] اور وہ (بھی ڈرائیگا) جو پہنچے گا (اس

مقصد کے لیے مقررہ وقت و مقامِ معینہ پر) اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ (کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ بھی ہیں؟ آپؐ کہیے: ''میں ایسی گواہی نہیں دیتا! اللہ صرف وہ ایک ہی ہے اور میں اس شرک سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔ [آیت:۱۹]

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو یوں پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو! مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے؛ ایمان نہیں لائیں گے!) [آیت:۲۰ اور ختمِ رکوع]

مندرجہ بالا آیت پر رکوع ختم ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ زیرِ بحث مضمون اختتام کو پہنچ چکا! رکوع کی اِس آخری آیت میں ''الکتاب'' کے الف، لام کو قسمِ معروفہ مانا جائے تو اس سے مراد ایک خاص یا معروفہ کتاب ہوتی ہے جیسے: توراۃ، زبور، انجیل یا قرآنِ مجید وغیرہ، وغیرہ اور اگر الف، لام کو استغراقی تسلیم کیا جائے تو معنوی طور پر ساری آسمانی کتابیں مراد ہوتیں ہیں! پس علیٰ ہٰذ القیاس مفاہیم بھی بلحاظِ زمانہ انہی بنیادوں پر، ہر دو پر متعین ہوتے نظر آتے ہیں! (واللہ اعلم)

مصادر و منابع:

۱۔لغات القرآن — عبدالرشید نعمانی صاحب، دارالاشاعت، اردو بازار؛ کراچی

۲۔معلم لغات القرآن — سید اعجاز حیدر صاحب، دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار؛ لاہور

۳۔تفسیر ابنِ کثیر (اردو ترجمہ) — محمد میمن صاحب۔نور محمد کارخانہ کتب، آرام باغ؛ کراچی

۴۔The Holy Quran — عبداللہ یوسف علی، امانہ کارپوریشن، میری لینڈ، یو۔ایس۔اے